Al-Mahdi Research Journal (MRJ)
Vol 5 Issue 4 (April-June 2024)
HJRS HEC Journal Recognition System
Category Y
ISSN (Online): 2789-4150
ISSN (Print): 2789-4142

Analytical study of Nilufar Iqbal's Stories collection "Ghanti"

نیلوفر اقبال کے افسانوی مجموعے ''گھنٹی'' کا تجزیاتی مطالعہ

Dr.Parveen Kallu
Associate Professor Urdu Department, Government College University Faisalabad, drparveenkallu@gcuf.edu.pk

Dr.Nazia Sahar
Assistant Professor, Urdu Department Islamia College Peshawar

Dr.Muhammad Rahman
Assistant Professor Urdu Department Hazara Univetsity Mansehra

Abstract

Nilufar Iqbal's stories are deeply rooted in realism, showcasing strong narratives coupled with profound insights. For him, storytelling and character development take precedence as key elements of fiction. His works bridge the traditional Urdu fiction with contemporary themes, often delving into modern social and psychological issues. Some of his stories vividly portray dialectical struggles, adding depth to the narrative. Despite delving into progressive themes, Nilufar Iqbal maintains a fine balance between ideology and artistic expression, ensuring that the integrity of his craft remains intact. His writing style is characterized by a delicate equilibrium, skillfully blending artistry with storytelling prowess.

Keywords: Nilufar Iqbal, Stories "Ghanti", trend of realism, story-telling and characterization, psychological topics, art and ideology, important fictional elements

نیلوفر اقبال کا پہلا افسانوی مجموعی گھنٹی پہلی بار 1996ء میں شائع ہوا۔ اشاعت چہارم اکتوبر 2012ء میں ہوئی۔ ان کے افسانوں کے بارے احمد ندیم قاسمی رقم طراز ہیں:

> ''میں کامیاب علامتی افسانوں کی نفی نہیں کر رہا ہوں مگر یہ اعلان بڑے اعتماد کے ساتھ کرتا ہوں کہ نیلوفر کے افسانے بیسویں صدی کے آخری ربع کی پاکستانی نسل کی راست فکری اور راست گوئی کے غیر فانی شہ پارے ہیں۔''(1)

نیلوفر اقبال کا افسانوی مجموعہ گھنٹی چھپتے ہی ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ اس مجموعے میں وہ بیانیہ روایت کی بہت بڑی علم بردار لکھاری کے طور پر سامنے آتی ہیں۔ اس افسانوی مجموعے کو ہر نقاد اور ادب کے سنجیدہ قاری نے سراہا ہے۔

اس افسانوی مجموعے کے بارے میں محمد حمید شاہد کہتے ہیں:

> ''اگر آپ نے نیلوفر اقبال کے افسانوں کا پہلا مجموعہ نہیں پڑھا تو یقین جانیے آپ ان کی تخلیقی توفیقات کے مزاج کا گُمان تک نہیں باندھ سکتے۔ ''برف''، ''کھوٹہ سکہ''، ''آنٹی''، ''کھوڑا گاڑی''، ''پاؤں''، ''حساب'' اور ''گھنٹی'' غرض ایک افسانہ بھی ایسا نہ تھا جو توجہ نہ کھینچتا تھا۔ ہر کہانی یہ ثابت کر رہی تھی کہ سماجی، سیاسی، جنسی اور نفسیاتی حقیقت نگاری کی روایت اور اُسلوب میں بہت کچھ کہہ لینے کے امکانات موجود تھے۔ بے پناہ امکانات ایسے کہ زندگی کے وہ حقائق فکشن کا حصہ بنائے جا سکتے ہیں جنہیں کسی اور طرح بیان کرنا ممکن نہیں۔''(2)

اسی طرح ان کے پہلے افسانوی مجموعے ''گھنٹی'' کے بارے میں مرزا ادیب اپنے ایک کالم ''اذکار و افکار'' میں لکھتے ہیں:

CC BY

''جہاں تک میرے مطالعے کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ گھنٹی کے افسانے کم از کم مصنفہ کے خاص احساس کی نشاندہی کرتے ہیں۔ وہ احساس یہ ہے کہ موجودہ دور میں مادی، سائنسی علوم و فنون کی ہمہ جہتی ترقی کے باوجود انسانی قدروں کو پامال ہونے سے نہیں بچایا جا سکا جو انسان کی عظمت پر دلالت کرتی ہیں۔''(3)

ہر فن کار کو اپنے فن کا شعور ہوتا بھی ہے اور ہونا بھی چاہیے۔ ایک فنکار نہ تو مصلح قوم ہوتا ہے کہ وہ قوم کو اخلاقیات کے اُصول سکھاتا پھرے اور ان کی اصلاح کرتا پھرے۔ بلکہ وہ قارئین کو ایک فن کارانہ طریقے سے معاشرے میں موجود برائیوں کے بارے میں آگاہ کرتا ہے۔ اور ایسا کرنے میں بھی وہ واعظانہ اصلاحی انداز سے گریز کرتا ہے۔ اس کی بہت بڑی مثال اُردو کے بلند پایہ افسانہ نگار جو حقیقت نگاری کی معراج سمجھے جاتے ہیں یعنی سعادت حسن منٹو ہیں، جنھوں نے بہت بے باک حقیقت نگاری کی۔

نیلوفر اقبال حقیقت نگاری کی روایت کی نمائندہ افسانہ نگار ہیں۔ گھنٹی میں موجود اپنے افسانوں کے بارے میں اور مجموعی طور پر اپنے افسانوی فن کے بارے میں رائے دیتے ہوئے کہتی ہیں:

''میرے اپنے خیال کے مطابق میرے افسانوں میں نہ تو بنی نوع انسان کو سدھارنے کا کوئی سبق ہے، نہ ان سے اسلام خطرے میں پڑتا ہے اور نہ ہی ان میں دانستہ ابہام کا داؤ پیچ ہے اور تو اور ان پر مزاحمتی ادب کی پرچھائی بھی نہیں ہے۔''(4)

ان کے پہلے افسانوی مجموعے کا نام گھنٹی ہے۔ ان کی اس کہانی کا نام گھنٹی کے نام پر ہی رکھا گیا ہے اور یہی افسانہ اس مجموعے کا پہلا افسانہ ہے۔ اسی افسانے سے ان کی ادبی دُنیا میں شناخت قائم ہوئی۔ اس افسانے میں بہت سارے سماجی حقائق اپنی تلخی سمیت نظر آتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ بہت سارے نفسیاتی پہلو بھی مصنف کے ذہن میں تھے۔ کہانی ایک مریض ''بوڑھے'' کے گرد گھومتی ہے جو کہ صاحب فراش ہے اس کا بیٹا اور بہو یہ فیصلہ کرتے ہیں چوں کہ اس سے آواز نہیں دی جا سکتی لہٰذا ابا جان کو ایک گھنٹی لا دی جائے جس سے ان کو گھر کے افراد کو متوجہ کرنے اور اپنی ضرورت بتانے میں آسانی رہے۔ گھنٹی لا دی جاتی ہے پہلے پہل تو خوشی خوشی بہو اور بیٹا اس مریض بوڑھے کے کام کرتے ہیں آہستہ آہستہ ان کو گھنٹی کی آواز سے چڑچڑاہٹ ہونے لگتی ہے۔ ایک دن چپکے سے وہ گھنٹی اُٹھا کر اس بڈھے کی دسترس سے پرے رکھ دی جاتی ہے۔ اتفاق سے اس سے اگلے دن ہی بزرگ اپنے بستر پر مرا ہوا پایا جاتا ہے اور گھنٹی اُٹھانے کا پچھتاوا بیٹے کو آگھیرتا ہے۔ افسانے کا اختتام اس کیفیت کو یوں بیان کرتا ہے:

''گھنٹی کسی معصوم بچے کی طرح اس کے باپ کے پہلو سے چمٹی ہوئی خاموش پڑی تھی۔ اس نے گھنٹی کو اُٹھا لیا اور دونوں ہاتھوں سے اسے سہلانے لگا۔ اس کا دل بھر آیا ''ابا جان'' اس کے منہ سے نکلا اور پھر وہ بچوں کی طرح بلک بلک کر رو دیا۔ پھر اس کی نظروں نے ڈرتے ڈرتے گھنٹی سے پوچھا ''ابا جان کب؟..... کہیں تب تو نہیں؟.....
گھنٹی نے کوئی جواب نہیں دیا کیوں کہ بے جان چیز بول نہیں سکتی۔''(5)

درج بالا اقتباس میں ساری صورتِ حال اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ اُبھر کر سامنے آگئی ہیں۔ ان کی اس کہانی یعنی ''گھنٹی'' کے بارے میں پروفیسر فتح محمد ملک لکھتے ہیں:

''گزشتہ پندرہ (15) برس کے دوران نیلوفر اقبال نے خود کو تجرید نگاری اور حقیقت پسندی و اشگاف نگاری اور علامت پسندی کے افسانوی اسالیب پر ادبی بحث و تمحیص کے ہنگاموں سے اور اپنی زندگی سے قریب رکھ کر خاموشی اور استقلال کے ساتھ جدید افسانہ نگاری میں اپنا منفرد مقام بنایا ہے۔ ایسا منفرد مقام کہ ان کی کہانی ''گھنٹی'' غلام عباس کی ''آنندی'' کے مانند کلاسیک کا درجہ اختیار کر گئی۔''(6)

یہ افسانہ اپنے تلخ حقائق کی وجہ سے قاری کو دکھ میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اس افسانے کی بہت ساری تخلیقی جہات ہیں۔ یہ افسانہ اردو کے زندہ رہ جانے والے افسانوں میں ایک ہے اس افسانے کے بارے میں محمد منشا یاد کہتے ہیں:

''نیلوفر کے جس افسانے نے مجھے پہلے پہل چونکا دیا اس کا عنوان تھا ''گھنٹی''۔ اسے پڑھتے ہوئے میرے اندر یکبارگی اذیت کی بہت سی گھنٹیاں بجنے لگیں اور ادبی حلقوں کے لوگ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے۔ ''تم نے گھنٹی پڑھا''(7)

اس افسانے کے بارے میں مرزا ادیب یوں رقم طراز ہیں:

''گویا گھنٹی جو خاندان میں ربط کی علامت ہے توڑ پھوڑ کی کیفیت بیان کر رہی ہے یہ بھرے ہوئے اجزا والی گھنٹی خاندانی روابط کے الم ناک زوال کی کہانی سنا رہی ہے۔ خاندانی روابط کا زوال انسانیت کے زوال ہی کا ایک حصہ ہے۔''(8)

ایک اور جگہ مرزا ادیب اس افسانے کے بارے میں رائے دیتے ہوئے یوں لکھتے ہیں:

''گھنٹی خاندانی روابط کی شکست و ریخت کا ایک بڑا منظر آنکھوں کے سامنے لاتا ہے۔ ایک خاندان کو قائم رہنے کے لیے اس کا اعتماد، احترام و خلوص کی ضرورت ہے ان کے بغیر خاندانی عناصر جو خاندانی سلامتی کے ضامن ہیں انتشار کا شکار ہو کر اس تقدس سے محروم ہو جاتے ہیں جسے رشتے کا تقدس کہا جاتا ہے۔''(9)

CC BY

افسانہ ''گھوڑا گاڑی'' میں دو مرکزی کردار ہیں۔ایک باپ اور بیٹا جو کہ سائیکل کی وجہ سے چپقلش کا شکار ہو گئے۔مرمت کا کام نکلنے پر باپ کو بہت غصہ آتا ہے اور وہ بیٹے کو مارتا ہے اور اندر کمرے میں بند کر دیتا ہے۔بیٹا باپ کی سائیکل چلاتے ہوئے خراب کر بیٹھتا ہے۔

بیٹا جب کمرے میں قید ہوتا ہے تو ایک خواب دیکھتا ہے جس میں وہ خود کو اچھے سے اچھے سائیکل پر سوار دیکھتا ہے۔اسی کے خواب کے ذریعے اس کی خواہشات کی تسکین ہوتی ہے۔اُسے خواب اور غنودگی کی کیفیت میں عورت کے ساتھ اور شربت کی پیش کش بھی ہوتی ہے۔

> ''میرے ساتھ آؤ'' عورت اس کا ہاتھ تھامے محل کی طرف بڑھی۔گڈو کو ایسا لگا تھا جیسے یہ محل اس نے پہلے بھی دیکھا ہوا ہے۔یہاں کی سب چیزیں دیکھی بھالی ہیں۔دیوار کے ساتھ بہت سی الماریاں تھیں۔ان کے کواڑ رنگین تھے۔''اس الماری میں شربت ہے۔''اس نے انگلی سے اشارہ کر کے عورت کو بتایا عورت ہنس پڑی۔''(10)

''گڈو'' کا باپ غربت کے ہاتھوں شکست خوردہ زندگی کی وجہ سے اپنے بیٹے پر غصہ نکالتا ہے۔اور آخر میں جب اس کے بیٹے ''گڈو'' کی حالت غیر ہوتی ہے۔تو اسی سائیکل پر بٹھا کر ''گڈو'' کو ڈاکٹر کی طرف لے کر چل پڑتا ہے۔دوسری بات اس افسانے میں یہ ہے کہ انسان آخر میں آ کر اپنے خونی اور جذباتی رشتوں کے ہاتھوں مغلوب ہو جاتا ہے۔یہاں وہ روایتی مقولہ بھی پورا ہوتا نظر آتا ہے کہ غریب گھروں میں اکثر لڑائی غربت کی وجہ سے ہوتی ہے۔

اس مجموعے کا تیسرا افسانہ ''آنٹی'' ہے۔یہ ایک کرداری افسانہ ہے۔''روفہ'' اس افسانے کا مرکزی کردار ہے۔جو کہ بالکل نوجوان لڑکی نہیں ہے لیکن خود کو لڑکیوں سے بہتر سمجھتی ہے۔حساسیت اور تجربے کے حوالے سے اس کردار کے بارے میں ڈاکٹر انوار احمد کہتے ہیں:

> ''خاتون ''روفہ'' کا کردار بڑی مہارت سے وضع کیا گیا۔وہ اپنے بدن پر جو ریاضت کرتی ہے اسے افسانہ نگار نے رفتہ رفتہ اس کے ذہنی اور جذباتی ابتلا اور اپنے بدن پر ہی نہیں روح پر بھی بہت کچھ سہہ سکنے کی ہمت کے ساتھ جوڑ کر غیر معمولی کردار بنا دیا ہے۔''(11)

روفہ بہت سارے لوگوں سے محبت کرتی ہے۔بہت سارے لڑکوں کی محبت کے چکر میں آ کر ان سے خالص محبت بھی کرتی ہے اور اظہارِ بھی حتیٰ کہ بعض لڑکوں کو تو وہ مختلف قسم کی قیمتی چیزیں بھی لے کر دیتی ہے۔

روفہ کے معاشقوں میں سب سے زیادہ زوردار معاشقہ پرویز عرف پیجی کے ساتھ دکھایا گیا ہے اور پرویز ہی وہ لڑکا ہوتا ہے جس پر وہ سب سے زیادہ خرچ کرتی ہے اور اس کی سالگرہ پر وہ پرویز کو سونے کی زنجیر بھی لے کر دیتی ہے۔لیکن پرویز اور اس کے دوست روفہ کو آنٹی کہہ کر اس کا مذاق اُڑاتے ہیں۔

اس ساری صورتِ حال کو نیلوفر اقبال نے یوں بیان کیا ہے:

> ''اس کا خیال تھا باتھ روم تک آواز نہیں جائے گی۔لیکن پہنچ گئی۔وہ بولا آنٹیوں کا یہی تو ایک فائدہ ہے۔پھر ان کمینوں کے ہنسنے کی آواز آئی۔پھر اور ایک شور کی آواز ''ویسے یار آنٹی ہے بڑی ٹیٹ۔ٹائٹ کوٹیٹ کہہ رہا تھا ذلیل۔''(12)

روفہ، پرویز کے اس رویے سے دل برداشتہ ہو کر اس سے تعلق ختم کرنے کا ارادہ کرتی ہے رات گزرنے کے بعد اس کے ارادے میں نرمی پیدا ہو چکی ہوتی ہے اور وہ خود کو ان الفاظ میں تسلیاں دیتی ہے۔

> '' یہ فیکٹ ہے کہ اگر کل والے اپی سوڈ(Episode) کو نکال دیا جائے تو آدر وائز ہماری ریلیشن شپ پرفیکٹ ہے اینڈ موسٹ سیٹس فائنگ ٹبہ فیکٹ ہے کہ اگر آج ہمارا افیئر ختم ہو جاتا ہے تو اسے دس لڑکیاں مل جائیں گی۔لیکن میں میری زندگی میں کیا رہ جائے گا۔''(13)

اس افسانے میں نسوانیت کی تشنگی سے لے کر عورت کے تمام جذباتی و ذہنی مسائل کو پیش کیا گیا ہے۔روفہ اپنے طبقے کی تمام عورتوں کی علامت کے طور پر سامنے آئی ہے۔اس کے علاوہ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مصنفہ جنسی حوالے سے پرویز سے مطمئن ہے۔وہ اس کی جسمانی ضرورت کو احسن طریقے سے پورا کر رہا ہے۔

نیلوفر اقبال نے ملازمت پیشہ پاکستانی عورت کی زندگی کے مختلف پہلو اپنے افسانوں میں پیش کیے ہیں۔پاکستانی معاشرے میں معاشی طور پر خود کفیل عورت کو طرح طرح سے استحصال کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ایسی ملازمت پیشہ عورتیں جن کی شادی نہیں ہو پاتی اکثر لالچی مردوں کے جھانسے میں آ جاتی ہیں۔عورت کی محرومیاں اُسے کئی مرتبہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی فریبِ محبت میں گرفتار ہونے پر مجبور کر دیتی ہیں۔نیلوفر اقبال کے افسانے آنٹی کی روفہ ایسی ہی عورت ہے۔پینتیس سال کی عمر وہ حسین اور جوان نظر آنے کے لیے ہزار ہا جتن کرتی ہے۔ایک شادی کی ناکامی کے بعد وہ ہاسٹل میں آزادی کی زندگی گزارنے اور تنخواہ کو بے دردی سے اپنے نت نئے معاشقوں پر لٹانے میں خوشی محسوس کرتی ہے۔اپنے کم عمر عاشق کے منہ سے اپنے لیے آنٹی کا لفظ سن کر بھی وہ اس افیئر کو باقی رکھنا چاہتی ہے چوں کہ اس عمر میں اور کوئی جذباتی سہارا اُسے میسر نہیں ہے۔

CC BY

نیلوفر اقبال نے خاندانی ذمہ داریوں سے آزاد ایسی عورت کا کردار پیش کیا ہے جو مرد سے جسمانی تعلق پر مبنی دوستی قائم کرتی ہے اور پھر اس تعلق کی بھاری قیمت بھی ادا کرتی ہے۔ نیلوفر اقبال اپنے نسوانی کرداروں کی تشنہ جنسی خواہشات اور جذباتی عدم آسودگی کے جذباتی مسائل کو نظر انداز نہیں کرتیں بلکہ عورت کی زندگی کے ان فطری تقاضوں کو نظر انداز کیے جانے کے رویوں کو تنقیدی نظر سے دیکھتی ہیں۔

ڈاکٹر عظمیٰ فرمان کے خیال میں فکشن میں متذکرہ بالا مسائل کے اظہار کی گنجائش نے ہی اس میں خواتین کے لیے اختیاری راستے کھولے ہیں۔ وہ لکھتی ہیں:

> ''فکشن میں جنسی مسائل کے اظہار میں مختلف کرداروں کے ذریعے جو آسانی تھی وہ دوسری اصنافِ ادب میں حاصل نہ تھی۔ اس لیے افسانہ اور ناول کی تخلیق میں خواتین کی جتنی بڑی تعداد نظر آتی ہے وہ شاعری میں بھی نہیں ہے۔''(14)

نیلوفر اقبال کو افسانہ نگار خواتین میں یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ عورت کی مظلومیت کی یک رُخی تصویر پیش نہیں کرتیں بلکہ عورت کے منفی رُوپ کو بھی سامنے لاتی ہیں۔ اُن کے افسانے بدمعاش میاں کی مس رومانہ ایک دفتر میں ڈپٹی ڈائریکٹر ہے۔ نیلوفر اقبال نے اس کے کردار پر کسی قسم کا تبصرہ کیے بغیر اس کے حلیے کے بیان سے ہی اس کی شخصیت کے کئی پہلو منکشف کیے ہیں۔

اس مجموعے کا چوتھا افسانہ حساب کے عنوان سے ہے۔ اس افسانے کی کہانی میں بے جی کا کردار مرکزی کردار کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس افسانے کا مرکزی کردار بے جی اپنے بیٹے کی متوقع آمد کی تیاری میں لگی ہوتی ہے۔ اس کے بیٹے اور بیٹیاں دوسرے ممالک کی نیشنلٹی لے کر بیٹھے ہوتے ہیں وہ اماں کو ایک روز کے لیے ملنے آتے ہیں۔ بے جی کو ان کے آنے کی اتنی خوشی ہوتی ہے کہ اسے خوشی سے اپنی سدھ بدھ نہیں رہتی نہ اسے خود نہانے اور کھانے پینے کا ہوش رہتا ہے۔ وہ اپنی استطاعت کے مطابق انتظام کرتی ہے۔ مگر اس کی بیٹیاں اور بیٹے اس کے انتظام کو بہت ناقص اور غیر معیاری گردانتے ہوئے اس کی بے عزتی کرتے ہیں اور اس کو ان کے لیے کھانے کا طعنہ دیتے ہیں جس کی وجہ سے بے جی غصے ہو کر آپے سے باہر ہو جاتی ہے۔ اپنے بیٹے اور بیٹیوں کو کوسنے دینے لگ جاتی ہے۔

اس افسانے کا موضوع نسلی تضادات اور ملکی تہذیب و معاشرت کا فرق ہے۔ بے جی نے جس خلوص اور اپنائیت سے سارے کھانے تیار کیے اور جس چاؤ سے گھر کی سجاوٹ کی وہ سب کے سب اس کے بیٹے اور بیٹیوں کے سامنے ہیچ تھے کیوں کہ بے جی نئے دور کے فیشن سے آگاہ نہیں تھی جب کہ اس کی اولاد کا تقاضا نیا فیشن اور بہتر معیارِ زندگی تھا نہ کہ خلوص۔

زینب جو کہ بے جی کی بیٹی ہے ان الفاظ میں برہمی کا اظہار کرتی ہے:

> ''پھر ماحول بھی تو ایسا ہے اس گھر کا۔ یہاں تو اچھا بھلا آدمی ''بے جی'' ! آپ کم از کم ہمارے آنے سے پہلے سفیدی ہی کروالیتیں۔ جدھر دیکھو جالے لٹک رہے ہیں۔ کتنی نحوست ہے۔ دیواروں پر انگل انگل مٹی چڑھی ہے۔''(15)

شکیل جو کہ بے جی کا بیٹا ہے وہ ان الفاظ میں اپنی برہمی کا اظہار کرتا ہے:

> ''کم از کم پلیٹیں تو نئی لے آتیں۔ کوئی قسم کھائی ہے کہ وہی بیس سال والی گجراتی ہری دھاری کی پلیٹیں ہی رکھنی تھی.....نہ کوئی ڈھنگ کا گلاس نہ چمچے یہ کوئی طریقہ ہے۔'' (16)

آخر جب بے جی سے انھوں نے حساب کا تقاضا کیا تو بے جی کی حالت کچھ یوں ہو گئی:

> ''بند کمرے میں بے جی پر ہچکیوں کا دورہ سا پڑ گیا تھا۔ کلیجہ سنبھالتیں تو لگتا دل پھٹ جائے گا ..... حساب مانگتے ہیں، حساب مانگتے ہیں ماں سے..... مجھ سے حساب مانگتے ہیں۔''(17)

منصور احمد نیلوفر اقبال کی افسانہ نگاری پر رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''نیلوفر اقبال بڑی کہانی کار ہے اس لیے کہ وہ بڑی انسان ہے۔ اس کی کہانیوں کے کردار ہوں یا کیفیات سب پر اس کی بڑائی کی چھاپ لگی ہے کیوں کہ آپ بڑے ویژن کے بغیر درمیانے درجے کا ادب تو تخلیق کر سکتے ہیں۔ شاہکار وجود میں نہیں لا سکتے۔ ''حساب'' کی ماں جی ہو، ''آنٹی'' کی ''روفہ'' ہو یا ''چابی'' کی ''عابدہ'' اس نے سب کو بہت کھلی اور دریائی آنکھ سے دیکھا ہے اور یہی اس کی کہانیوں کا اسم اعظم ہے۔''(18)

''سلور جوبلی'' اس مجموعے کا پانچواں افسانہ ہے۔ یہ افسانہ ایک ایلیٹ کلاس گھرانے سے تعلق رکھنے والے میاں بیوی کی بدمزہ ازدواجی زندگی کی داستان ہے۔

افسانے کا آغاز بہت پر سکون انداز میں ہوتا ہے۔ ابتدا میں کہیں بھی یہ شائبہ نہیں ہوتا کہ میاں اور بیوی کے تعلقات میں اتنی سرد مہری ہو گی۔ وہ ایک پارٹی کا انتظام کرتے ہیں۔ جس میں بڑے بڑے امیر لوگ مدعو ہوتے ہیں۔ میاں اور بیوی دونوں کے چہروں پر دکھاوے کی مسکراہٹ ہوتی ہے جب کہ اندر سے دونوں زہر سے بھرے ہوتے ہیں اسی افسانے میں بھی مرکزی نسوانی کردار کو اپنے میاں سے شکایت ہوتی ہے کہ وہ اسے مناسب وقت اور توجہ نہیں دیتے۔ اس افسانے کے ذریعے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی ایک امکان ہے کہ ہماری بظاہر پر سکون نظر آنے والی زندگی میں زیریں سطح پر بہت بڑا طوفان بھی پوشیدہ ہو سکتا ہے۔ ایک طرف عورت خاوند کے رویے کی ستائی ہوتی ہے تو دوسری طرف خاوند بھی عورت کے رویے سے نالاں ہوتا ہے۔

افسانے عرضی کا موضوع غربت ہے۔ یہ افسانہ ترقی پسند نظریے سے قریب دکھائی دیتا ہے۔ اس افسانے کا مرکزی کردار بشیر ہے جو کہ بہت ذہین بچہ ہے لیکن اس کی بد قسمتی یہ ہے کہ وہ غریب گھرانے میں پیدا ہوتا ہے اور گاؤں کے چودھری اور ان کی زمین بشیر اور اس کے خاندان کی کفالت کا ذریعہ ہیں بشیر کا باپ پہلے بشیر کے بھائی کو اپنے ساتھ چودھری کے کام پر لے جاتا ہے اور ان کے مویشیوں کے لیے چارے پانی کے بندوبست کی ذمہ داری بشیر کے بھائی پر آن پڑتی ہے۔ پھر ایک وقت میں بشیر کو بھی اسی کام کرنے کے لیے کہا جاتا ہے۔ وہ مزاحمت کرتا ہے اور ماں باپ سے اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ وہ مزید پڑھنا لکھنا چاہتا ہے۔ لیکن ماں باپ نہیں مانتے اس کے ننھے ذہن میں ایک ترکیب آتی ہے وہ اپنے سکول کے ہیڈ ماسٹر کو ایک عرضی لکھ کر ساری صورتِ حال بتاتا ہے اور اسی بات کا اظہار کرتا ہے کہ وہ مزید پڑھنا لکھنا چاہتا ہے اس کی مدد کی جائے وہ اپنی عرضی ڈاکیے کو دیتا ہے تو ڈاکیا اس غریب کی عرضی کو سنبھالنے کی بجائے جاتے ہوئے گوبر میں گرا جاتا ہے۔ بشیر کی عرضی ہی گوبر میں گم نہیں ہوتی بلکہ اس کی تمام اُمیدیں اور اس کی ساری ذہانت اور لیاقت گوبر میں گر کر گندی ہو جاتی ہے۔ دراصل اس افسانے میں طبقاتی کش مکش کو موضوع بنایا گیا ہے۔

سماج میں امیر اور غریب طبقے کی حالاتِ زندگی کو بھرپور انداز سے مکمل جزئیات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس افسانے کے بارے میں ڈاکٹر انوار احمد لکھتے ہیں:

> ''نیلوفر اقبال کا ایک اور افسانہ ''عرضی'' پاکستان کے سماجی نظام میں معصوموں اور غریبوں کی طرف سے کمزور سہارے ڈھونڈنے کے جتن پر لکھا گیا بہت اہم افسانہ ہے۔''(19)

اس افسانے میں ایک اور بات کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ امیر آدمی کے لیے زندگی کے امکانات ہی امکانات ہوتے ہیں جب کہ غریب آدمی کو ایک بھی موقع نہیں ملتا۔

افسانہ چابی ایک کرداری افسانہ ہے۔ ''عابدہ'' اس افسانے کا مرکزی کردار ہے۔ افسانے کی پہلی سطر ہی عابدہ کے جسمانی و ذہنی پسِ منظر کو پیش کرتی ہے مصنفہ اس کی شخصیت کا ان الفاظ میں تعارف کرواتی ہے:

> ''عابدہ چائے کی ایسی پیالی تھی جو رکھے رکھے ٹھنڈی ہو گئی۔ تلخ، بدرنگ، آئینہ دیکھتی تو ساری دُنیا بدصورت نظر آنے لگتی۔ روشنی اب اس کے چہرے کے بے رحم زاویوں سے پڑنے لگتی تھی۔ گندمی رنگ مٹیالا ہوتا جا رہا تھا۔ چہرے کی کھال کا تناؤ کم ہو جانے سے گال پچکے ہونے سے لگے تھے۔ اور آنکھوں کے نیچے کا ورم کچھ اور واضح ہو گیا تھا۔''(20)

مذکورہ بالا خدوخال اور وضع قطع کی ایک لڑکی جو اپنا سارا وقت رسالے پڑھنے اور چھوٹی موٹی سکول کی نوکری کرنے میں گزارتی ہو۔ وہ اپنی ماں سے چھپ کر اس سے بات چیت کرنے لگتی ہے۔ تو اس کی زندگی یک سر بدل جاتی ہے۔ پہلے پہل وہ دیوار کے ایک سوراخ سے ہاتھ دوسری طرف لے جا کر اس کے کپڑوں اور دوسری چیزوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتی ہے۔ ایک دن وہ عابدہ کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے۔ عابدہ کسمساتی ہے اور اس کا دل چاہتا ہے کہ درمیان میں جو دیوار حائل ہے وہ ختم ہو یا کم از کم اسے اپنی طرف سے لگے دروازے کے تالے کی چابی ہی مل جائے۔ تلاش بسیار کے بعد وہ کام یاب ہو جاتی ہے۔ اس افسانے کا عنوان چابی بہت معنی خیز ہے۔ گویا یہ اس تالے کی چابی نہ ہو بلکہ اس کی زندگی میں متوقع بہار کی چابی ہو۔ اس کی نسوانیت کی تکمیل کی چابی ہو۔ جبلت کی تسکین عورت کی بنیادی ضرورت ہے۔ جب عابدہ کی مرکزی ضرورت پوری نہیں ہوتی تو وہ شکست خوردگی کا اظہار کرتی ہے۔ جب اس کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے تو وہ بہت اعتماد والی زندگی بسر کرنے لگتی ہے۔

بدمعاش میاں میں نیلوفر اقبال ایک نئے موضوع کی طرف توجہ دلاتی ہے۔ افسانے کا مرکزی کردار قدیر صاحب کا مس رخسانہ کی محبت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ قدیر صاحب مس رخسانہ کو بہت محبت سے رکھتے ہیں۔ اس کی ہر ضرورت پوری کرتے ہیں۔ اس بات کا علم قدیر صاحب کی بیوی کو ہو جاتا ہے۔ وہ روکنے کی کوشش کرتی ہے لیکن میاں باز نہیں آتے پھر قدیر صاحب اور مس رخسانہ دونوں زندگی کی روٹین کی اس یکسانیت سے اکتا جاتے ہیں اور خود ہی ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔

مصنفہ نے اس امکان کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ یہ بھی ممکن ہے کہ ایسا کوئی تعلق قائم ہو اور پھر خود بخود ہی ختم ہو جائے۔

قدیر صاحب اور مس رخسانہ اس تعلق کے ختم ہو جانے کے بعد ایک خاص قسم کی آسودگی محسوس کرتے ہیں۔ اس موقعے پر قدیر کی کیفیت میں آرام آتا ہے:

> ''گھر آ کر انھوں نے کئی دفعہ نوٹ کیا کہ مسز قدیر پہلے سے سمارٹ اور خوش اخلاق ہو گئی ہیں۔ انھوں نے انگڑائی لی اور اپنے پسندیدہ صوفے پر بیگم کے پہلو میں بیٹھتے ہوئے بولے ''بہت دنوں سے اچھی کوفی نہیں پی بیگم''(21)

افسانے صفر میں زندگی کے سنگین حقائق بیان کیے گئے ہیں اور رشتوں کا کھوکھلا پن موضوع بنایا گیا ہے۔ اُسلوب میں اسی قدر توازن دکھایا گیا ہے۔ مرکزی کردار شکیل کا ایک بھائی ہے جو ہسپتال میں مرنے کے قریب ہے۔ شکیل اس کی ماضی کی زندگی سے نالاں بھی ہے۔ تاہم اسے اس بات پر ذرا اطمینان بھی ہوتا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کا سارا سامان شکیل کو ہی ملنے والا تھا۔ مرنے سے دو دن پہلے وہ اپنے بھائی شکیل کو بتاتا ہے کہ فلاں جگہ میری ایک بیٹی ہے۔ سارا سامان اسی کو دے دینا اور یہ میں تمھیں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ مجھے تمہارے سوا کسی پر اعتماد نہیں ہے۔ شکیل ایسا ہی کرتا ہے اور وہی لڑکی یہ سن کر کہ اس کا باپ فوت ہو گیا ہے وہ رونے لگ جاتی ہے۔ وہ اس انداز سے روتی ہے کہ ''شکیل'' کو بھی بے اختیار رونا آ جاتا ہے۔

اس افسانے میں مصنفہ نے بہت سارے نفسیاتی نکات کی بھی نشان دہی کی ہے جو انسانی سرشت سے وابستہ ہیں۔ جن میں ایک جذبہ لالچ کا بھی ہے۔ شکیل جب شام کو ہسپتال بھائی کی تیمارداری کے لیے جانے لگتا ہے تو سامان والے کمرے کے پاس سے گزرتے ہوئے اس کی جو حالت ہوئی ہے اس کا بیان نیلوفر اقبال نے ان الفاظ میں کیا ہے:

CC BY

''شام کو ہسپتال جانے کے لیے نکلا تو سامان والے کمرے کی کھڑکیوں کے سامنے سے گزرنا پڑا۔اس کا دل چاہا کہ جالیوں سے جھانک لے، لیکن بیٹے کی وجہ سے جھجک گیا۔اچانک اس کا بیٹا، ٹیکسی ٹیکسی کہتا گیٹ کی جانب دوڑا۔اس نے بے ساختہ کھڑکی کی جالی کے ساتھ منہ لگا کر جھانک لیا۔کارٹن پر کارٹن اور چیزوں پر چیزیں چڑھی نظر آئیں۔''(22)

افسانے کے آخر میں جب شکیل اپنے بھائی کی بیٹی کے پاس جا کر اسے سامان کا بتاتا ہے تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگ جاتی ہے اس کو دیکھ کر ''شکیل'' بھی رونے لگ جاتا ہے۔شکیل کے اس رونے میں بھائی کی وفات کے صدمے کے ساتھ ساتھ سامان سے محرومی کا دکھ بھی شامل ہوتا ہے۔

نیلوفر اقبال کا افسانہ باغ بہت اہمیت کا حامل ہے۔گھنٹی کے بعد یہ دوسرا افسانہ ہے جو بہت مشہور ہوا ہے۔اس افسانے میں بیوروکریسی اور سیاست دانوں کے عوام کے ساتھ رویہ پر طنز کیا گیا ہے۔ملک کے ایک ایم-این—اے کے ہاں ایک دعوت ہے جہاں ڈپٹی کمشنر ''شاہجہان خان'' بھی مدعو ہے اور وزیرِ اعلیٰ بھی۔ڈپٹی کمشنر جو باغ بنواتا ہے اس کی خوب صورتی کو سامنے والے ملحقہ سکولوں کی عمارت خراب کر دیتی ہے۔اسی محل میں ایک گفتگو کے دوران ان کا پہلا مشیر سکول کی عمارت کو بہت حقیر لفظوں کے ساتھ یاد کرتا ہے۔علاقے کے نامی گرامی بیوروکریسی زمیندار کے گھر دعوت پر آئے ان مہمانوں کو صرف دو چیزوں کی فکر ہے اپنے وزن کی اور جسم میں کولسٹرول کی بڑھتی ہوئی مقدار کی۔

فتح محمد ملک نے نیلوفر اقبال کے افسانہ میں ملکی پس ماندگی کی وجوہات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''باغ'' میں ان کے تجزیہ کار ذہن اور دور رس نگاہ نے یہ بھید پالیا ہے۔کہ ہماری پسماندگی کا حقیقی سبب وسائل کی کمی نہیں بلکہ حکمرانوں کی غلط ترجیحات ہیں۔''(23)

امجد اسلام امجد اس افسانے کو ایک اور زاویہ نظر سے دیکھتے ہیں اور لکھتے ہیں:

''باغ'' کے حوالے سے ہمارے معاشرے میں تشکیل پانے والے کارپورٹ کلچر اور اس کے نمائندوں یعنی بیوروکریسی، فیوڈل لارڈ اور سیاسی مافیا کا گہرا اور حیرت انگیز تعلق دکھایا گیا ہے۔''(24)

افسانے پاؤں کا مرکزی موضوع بھی طبقاتی تضاد ہے لیکن اس میں ایک سے زیادہ متحرک کردار دکھائی نہیں دیتے۔ایک ہی مرکزی نسوانی کردار ہے جس کے ذریعے پوری کہانی بیان کی گئی ہے۔اس کو اپنے حسین ہونے کا بہت غرور اور گھمنڈ ہے۔وہ اپنے حسن پر بہت اتراتی ہے۔حتیٰ کہ اس نے اپنے دماغ میں مردوں کے درجے بنائے ہوئے ہیں کہ اے کلاس درجہ جس سے نظر ملانی ہے۔بی کلاس جس کو ترجیحی نظروں سے دیکھنا ہے۔سی کلاس جس کو دیکھنا ہی نہیں۔اس مرکزی کردار کے ہاں ایک لڑکی کام کرتی ہے جو صرف اس کے پاؤں دبانے کے لیے رکھی ہوئی ہے۔کچھ دن تو وہ اپنا کام دل جمی سے کرتی ہے۔بعد میں کہتی ہے کہ میں نے یہ ڈیوٹی نہیں کرنی۔اس لڑکی اور اس کی ماں کی گفتگو مرکزی کردار والی عورت سن لیتی ہے اور اس لڑکی کا حساب کر کے اسے بے عزت کر کے گھر سے نکال دیتی ہے۔ساتھ ہی یہ بھی باور کراتی ہے کہ وہ غریبوں کے لے بہت سا کام کرتی ہے۔

یہ افسانہ دراصل ان امیر لوگوں کے لیے طنز ہے جو بغیر عملی کام کیے عزت ختم کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔افسانے کے آخر والی سطور اس مرکزی کردار عورت کی نفسیات کی عمدہ عکاسی کرتی ہیں:

''مجھے ان غریب عورتوں کے نام سے بھی نفرت ہو گئی ہے۔اب کل پھر ان غریب عورتوں کے سلسلے میں میٹنگ ہے۔میرے ذمے کئی کام ہیں۔یہ اسی قابل کہ بے عزت ہی رہیں ایک ہم ہیں کہ مرے جا رہے ہیں ان کے لیے ایک یہ غلیظ عورتیں ہیں کہ.....''(25)

افسانے دستاویزی ثبوت میں سماجی زندگی کی ایک تلخ حقیقت کو پیش کیا گیا ہے۔اس افسانے کے دو مرکزی کردار ہیں۔پہلا کردار حنان صاحب کا ہے جو کہ پیشے کے لحاظ سے ایک وکیل ہے اور دوسرا کردار گولڈی کا ہے جس نے حنان سے شادی کی تھی اور پھر اسے ساری زندگی دھوکہ دیتی رہی تھی۔حنان کی ماں نے اپنے بیٹے کو بہت سمجھایا کہ وہ اپنی بیوی کو منع کرے اور ایک حد میں رکھے لیکن وہ ماں کی بات کو درخور اعتنا نہیں سمجھتا۔آخر کار ان کی شادی کے برسوں بعد جب ان کے گھر کا داماد اور بیٹی آئے ہوتے ہیں تو حنان صاحب کو اپنی بیوی گولڈی کے وہ خطوط ملتے ہیں جو اس نے غیر مردوں کے نام لکھے ہوتے ہیں اور جن میں بہت رنگین راتوں کا تذکرہ ہوتا ہے۔حنان صاحب کو ان کی ماں کے الفاظ یاد آتے ہیں، وہ غصے میں آگ بگولا ہو جاتا ہے اور اس کو سارے ثبوت دینا چاہتا ہے۔مگر یہ سوچ کر کہ داماد کیا سوچے گا وہ ان تمام خطوط کو جلا دیتا ہے۔اور بعد میں گولڈی پر غصہ نکالنا چاہتا ہے لیکن گولڈی اس سے دستاویزی ثبوت مانگتی ہے۔

افسانے کے یہ جملے بہت معنی خیز ہیں:

''دکھاؤ ثبوت، گولڈی نے انھیں کمزور پڑتے دیکھ کر شیر ہوتے ہوئے کہا ثبوت.....ثبوت تو ضائع ہو چکے؟ انھوں نے کم زور آواز میں کہا گولڈی نے طنزیہ ہنسی ہنسی اور تکیہ واپس اپنے برابر رکھ دیا اور شانوں پر ڈھلکی ہوئی نائٹی کو درست کیا اور لیمپ بجھا دیا۔''(26)

حنان صاحب کے پیشے کے حوالے سے بھی اس افسانے کا موضوع ایسے معنی دیتا نظر آتا ہے۔

CC BY

گولڈی کو بدنامی کا خوف نہیں اس لیے اس کے ساتھ بیس برس گزارنے والا شوہر بھی بے بس ہے۔ شوہر کے لیے رسوائی سب سے بڑی دھمکی اور گولڈی کے لیے یہی سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ عورت کا جو رُوپ گولڈی کے کردار میں پیش ہوا ہے وہ حقیقی بھی ہے اور مصنفہ کی ذہنی بیداری اور سماجی مسائل پر اس کی گہری نظر کا بھی پتہ دیتا ہے۔ نیلوفر اقبال نے کردار کے مطابق زبان کے اُسلوب کا انتخاب کیا ہے اور ان کے اظہار میں فنی توازن ہے۔

افسانہ نگار خواتین کے ہاں گہری بصیرت اور عورت کی زندگی کے متنوع پہلوؤں کے عمیق مشاہدے کی بدولت ان کے نسوانی کردار اکہرے نہیں بلکہ متنوع جہات کے حامل ایسے کردار ہیں جو اجتماعی رویوں کے مظہر بن جاتے ہیں۔ افسانہ نگار کردار کو انفرادی شخصیت اور ردِ عمل کی ذاتی سطح پر پیش کرتا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر سلیم اختر رقم طراز ہیں:

> ''یہی کردار جب قاری کے سامنے جاتا ہے تو افسانہ میں مخصوص کردار افعال تبدیل کیے بغیر وہ معاشرہ کے اجتماعی رویوں کی عکاسی کرتے ہوئے کبھی ان کی ترجمانی کرتا ہے تو کبھی اُن کے خلاف ردِ عمل کا ایک جواز قرار پاتا ہے۔ کبھی اجتماعی صورتِ حال کا اشاریہ بنتا ہے، کبھی روحِ عصر کا استعارہ تو کبھی ناگفتنی کی علامت اور اسی سے افسانے میں وہ گہری معنویت جنم لیتی ہیں جس کے نتیجے میں افسانہ اپنے عصر سے بلند ہو کر ہر عہد کے لیے بامعنی ثابت ہوتا ہے۔''(27)

اس افسانوی مجموعے میں ''پکل'' اور ''کھوٹا سکہ'' ان دونوں افسانوں کا موضوع لگ بھگ ایک جیسا ہی ہے۔ دونوں میں بچپن کے تشدد کو موضوع بنایا گیا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ''پکل'' کا انجام تشدد پر ہی ختم ہوتا ہے جب کہ ''کھوٹا سکہ'' کا انجام تشدد اور بچوں کی جانب التفات نہ برتنے والے والد کے پچھتاوے پر ہوتا ہے۔ جب محمد اکبر عرف بگا کی شہادت ہوتی ہے اور اس کی لاش اس کے گھر لائی جاتی ہے۔ تو اس دوران اس کے والد کو اپنے بیٹے پر پیار اور ترس آتا ہے۔ وہ بہت روتے ہیں اور یہ کھوٹا سکہ شہادت کی موت حاصل کرتے ہی سونے کا سکہ بن جاتا ہے۔

ان دونوں افسانوں کے موضوع کے حوالے سے ڈاکٹر انوار احمد لکھتے ہیں:

> ''نیلوفر کے پاس ایسا تخلیقی تجربہ ہے جو ٹوٹے ہوئے گھروں، بکھرے ہوئے رشتوں یا مادیت پسند والدین کی عادتوں کے ملبے میں آبیٹھے ہوئے بچوں کے دُکھوں کو ریزہ ریزہ چننے کی آرزو سے منسلک ہے۔..... ''پکل'' اور ''کھوٹا سکا'' ایسے ہی بچوں پر لکھے گئے افسانے ہیں جن پر جسمانی تشدد یا ذہنی تشدد ہوا اور ان کے بچپن کی معصومت کو چھیننے کی کوشش کی گئی۔''(28)

''محمد اکبر'' کا کردار آخر میں قاری کے ترحم اور ہمدردی کے جذبات سمیٹ لیتا ہے۔ حب الوطنی کی خوشبو میں گوندھا ہوا یہ کردار شہید ہو کر بھی امر ہو جاتا ہے۔ اس کے باپ کو زندہ بیٹا نکھٹو لگتا ہے لیکن جب لاش سامنے آتی ہے تو اس کے انگ انگ سے ہزاروں خوبیاں پھوٹتی نظر آتی ہیں۔

صرف افسانے کو پڑھ کر چیخوف کے افسانے ''جرنل صاحب کا کتا'' کی یاد آجاتی ہے۔ ''شیر علی'' اس افسانے کا مرکزی کردار ہے جو ترقی کرتے کرتے جرنل صاحب کا نوکر ہو جاتا ہے۔ عام طور پر بہت بڑا درجہ خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن جس طرح کی تذلیل ''شیر علی'' کی ہوتی ہے۔ اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس کی ڈیوٹی جرنل صاحب کے کتوں کی دیکھ بھال پہ لگ جاتی ہے۔ وہاں اس کو فلو اور بخار ہو جاتا ہے اور کوئی اس کی خبر نہیں پوچھتا الٹا اس کے فلو پر اعتراض ہوتا ہے کہ یہ کتوں کو بھی نہ بیماری لگا دے۔ اس لیے اس کو کتوں سے الگ سونے کا حکم ہوا۔

> ''تم ادھر ورانڈا میں سو رو اور تم اس کا میڈیسن کرو۔ کتا لوگ کو بیمار کر دے گا۔ جرنیل نے خشمگیں نظروں سے شیر علی کو دیکھا۔''(29)

اس افسانے میں نیلوفر نے بہت فنکارانہ انداز سے طبقاتی تضاد کو بیان کیا ہے۔ ایک طرف وہ مخلوق جس کو نجس تصور کیا جاتا ہے اس کا تعلق امیر طبقے کے ساتھ ہونے کی وجہ سے اس کی اہمیت اور ہر چھوٹی موٹی ضرروت کا خیال رکھا جاتا ہے اور دوسری طرف وہ مخلوک جو اشرف المخلوقات ہونے کی دعویدار ہے۔ اس کا تعلق غریب طبقے سے ہونا ان کے لیے لعنت بن جاتا ہے اور وہ زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے بھی محروم ہیں۔ اس افسانے میں ''عرضی'' اور ''باغ'' کے بارے میں بات کرتے ہوئے فتح محمد ملک لکھتے ہیں:

> ''حقیقت یہ ہے کہ ان کے افسانے پختہ سیاسی شعور سے رچے ہوئے معاشرتی احساس اور انقلابی انداز فکر کی دین ہیں۔ ثبوت کے ظہور پر اس کتاب میں شامل تین افسانوں ''عرضی''، ''باغ'' اور ''برف'' کو بلاخوفِ تردید پیش کیا جاسکتا ہے۔''(30)

پورے افسانوی مجموعے کا جائزہ لینے کے بعد ہم نے دیکھا کہ نیلوفر کے افسانوں میں خاصا تنوع ہے۔ وہ جس موضوع پر بھی قلم اُٹھاتی ہیں۔ اس کو اس کی جزئیات نگاری سے بلندی تک لے جاتی ہیں۔ ان کے اُسلوب اور فکر میں ایک خاص طرح کا آہنگ ہے۔

آخر میں ہم امجد اسلام امجد کی رائے نقل کرتے ہیں جو انھوں نے مجموعی طور پر اس افسانے کے بارے میں دی ہے۔ ''جنگ'' اخبار میں اپنے ایک مضمون ''گھنٹی سے برف تک'' وہ لکھتے ہیں:

> ''گھنٹی'' سے ''برف'' تک کہنے کو کل پندرہ (15) کہانیاں ہیں۔ لیکن میں یہ بات پورے وثوق اور اعتماد سے کہہ سکتا ہوں کہ گزشتہ تیس برس میں اُردو افسانے کے کسی ایک مجموعے میں اس معیار کی اس سے آدھی کہانیاں بھی ایک ساتھ شائع نہیں ہو سکیں۔ سو اس اعتبار سے نیلوفر کے افسانوں کا یہ مجموعہ ''گھنٹی'' یقیناً ایک غیر معمولی کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔''(31)

CC BY

اس افسانے میں نیلوفر اقبال ایک بے باک لکھاری کے روپ میں آئیں ہیں۔یہ افسانہ کسی حد تک علامتی معنویت لیے ہوئے بھی ہے۔اس افسانے کا عنوان ''برف''ایک خاص علامت کا حامل ہے۔''برف''ٹھنڈک کی علامت ہے۔اس افسانے کا کردار ''جنرل ببر علی''وہ بھی جذبات واحساسات سے عاری بلکہ ٹھنڈے جذبات کا حامل ہے۔اس کو اس چیز کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ ایک دیہاتی جس کا نام ''شیر علی'' ہے۔جو اس کے بیٹ مین کے طور پر اس کے گھر پر ملازم ہوتا ہے۔تو وہ اس کے کتوں کے ساتھ سوتا ہے تو جب اس کو سردی کی وجہ سے بخار ہوتا ہے تو جنرل کو ایک انسان سے زیادہ اپنے کتوں کی فکر ہوتی ہے۔وہ جذبات واحساسات سے بالکل عاری اور برف کا پتلا دکھایا گیا ہے۔

یہ کہانی ایک گورے، چٹے، اونچے، لمبے اور صحت مند دیہاتی ''شیر علی'' کی فوج میں بھرتی ہونے کی داستان ہے۔وہ فوج میں بھرتی بطور جنرل کے بیٹ مین بن جاتا ہے اور ترقی کرتے کرتے جنرل ببر علی کے عملے میں شامل ہو جاتا ہے۔کیوں کہ وہ جنرل کے کتوں کا نوکر تھا اور اس کو کتوں کے ساتھ ہی رہنا تھا۔اور کتے اس کی نسبت بہت اچھی زندگی گزار رہے تھے۔

میر زمان جو کہ شیر علی سے پہلے جنرل ببر کے کتوں کا گیٹ مین ہے وہ اس کو کہتا ہے کہ اس کے کتے یعنی جنرل کے کتے کو کوہ قاف کے شہزادے ہیں اور ان کی خوراک اور بادشاہوں اور جرنیلوں والی تھی۔روزانہ کا پانچ کلو گوشت، ڈیڑھ کلو دودھ، ہر ایک کے لیے روٹیاں اور بسکٹ اور بند فوڈ الگ۔میر زمان کہتا تھا بندہ بیٹ مین نہ ہو ڈوگ مین ہے تو پھر موجیں ہی موجیں۔

اس افسانے کے بارے میں محمد حمید شاہد لکھتے ہیں:

> ''میرا دھیان ان کے ایک افسانے ''برف'' کی طرف جاتا ہے۔جی وہی افسانہ جس کے کردار ملک کے ہر سیاہ وسفید میں دخیل ایک ادارے سے لیے گئے ہیں۔اور انسانی نفسیات کی لطیف سطحوں سے ایسا معاملہ کیا گیا ہے کہ اس ادارے کے اندر موجود طبقاتی استحصال کی کئی صورت سامنے آجاتی ہے۔''(32)

مجموعی طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ نیلوفر اقبال کے پہلے افسانوی مجموعے ''گھنٹی'' میں موضوعاتی اور اُسلوبیاتی سطح پر جہاں بہت سارا تنوع دیکھنے کو ملتا ہے وہاں ہی ان کے فکر اور اُسلوب میں مکمل ہم آہنگی بھی نظر آتی ہے جو ان کی فن کارانہ اپج کا منہ بولتا ثبوت ہے وہ چوں کہ بہت بے باک حقیقت نگار بھی ہیں ان کے بہت سارے افسانے ترقی پسندانہ فکر کے نزدیک بھی محسوس ہوتے ہیں۔

اس حوالے سے ان کا افسانہ ''عرضی''، ''پاؤں''اور ''برف'' قابل ذکر ہے۔بھوک، جنس اور انسانی جبلت بہت سے پہلو ہیں جنس نگاری کے حوالے سے ''آنٹی'' افسانہ قابل ذکر ہے۔''آنٹی''افسانے کی بہت دھوم رہی ہے۔ادبی حلقوں میں اسے سراہا گیا ہے۔اس میں بھرپور نسوانی کردار کا ذکر ہے۔جس کی نسوانیت تشنہ ہے اور اس کے باوجود کہ اس کا عاشق جو عمر میں چھوٹا ہے۔اس کو آنٹی کہہ کر پکارتا ہے وہ اس بات کو بھی برداشت کر لیتی ہے اور اپنے مستقبل کا انجام سوچ کر اس سے مزید رابطہ رکھنے کی خواہش مند بھی ہے۔

ترقی پسندانہ فکر کے حوالے سے ''باغ''ان کا بہت معروف افسانہ ہے۔''باغ'' کے ساتھ ساتھ ان کا ''برف'' بھی بہت معروف ہے۔یہ تمام وہ افسانے ہیں۔جو ترقی پسندانہ فکر کے حوالے سے بیان کیے گئے ہیں۔ان میں واضح طور پر دو طبقات نظر آتے ہیں۔ایک وہ طبقہ جو حاکم ہے جو کسی نہ کسی شکل میں اور دوسرا وہ طبقہ ہے جو کسی نہ کسی شکل میں محکوم ہے۔تو حاکم اور محکوم کی ازلی اور ابدی کش مکش ان تمام افسانوں میں نظر آتی ہے جن افسانوں کو ہم نے ترقی پسندانہ فکر کے حوالے سے دیکھا ہے۔

اُردو افسانے کی روایت جتنی مضبوط ہو چکی ہے اس روایت میں کسی بھی لکھاری کے لیے اپنی الگ حیثیت منوانا بہت مشکل ہے لیکن بعض مجموعے ایسے ہیں جو اپنے لکھاریوں کا نمایاں مقام پیدا کر دیتے ہیں نیلوفر کا افسانوی مجموعہ گھنٹی بھی اسی طرز کے مجموعوں میں آتا ہے اس مجموعے نے چھپتے ہی نیلوفر اقبال کو بطور ایک مستند افسانہ نگار کے منوایا۔ٹھوس حقیقت پسندی جیسا مرکزی موضوع اور حقیقت پسندی کا مزاج لے کر بھی اس مجموعے نے نیلوفر کا نام اس روایت میں زندہ وتابندہ کر دیا اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے ہاں ٹھوس حقیقت نگاری کے لیے سپاٹ بیانیے کی بجائے تخیل آمیز بیانیہ شامل تھا۔علاوہ ازیں نیلوفر کا تجربہ اور مشاہدہ جس قدر باریک ہے اسی حوالے سے انھوں نے ایک ادبی زبان دریافت کی ہے۔اس سارے مجموعے میں ان کا رویہ بہت واضح رہا ہے۔گھنٹی جیسے افسانے میں حقیقت نگاری محض حقیقت نگاری نہیں رہ جاتی بلکہ نفسیاتی حقیقت نگاری کی سطح تک پہنچ جاتی ہے۔

''گھنٹی'' کے ساتھ ساتھ ''آنٹی'' ایک ایسا افسانہ ہے جو بیانیے اور کہانی کی بنت کے حوالے سے ہمیں عصمت چغتائی اور واجدہ تبسم کی یاد دلاتا ہے۔اس افسانے میں مصنفہ کی بے باکی اور مشاہدے کی شدت نظر آتی ہے برف انکا ایک ایسا افسانہ ہے جہاں وہ بے باکی کی معراج پر نظر آتی ہیں۔اس افسانے میں انھوں نے ایسے طبقے کا ذکر کیا ہے جو ہمارے پورے ملک کے سیاہ وسفید کا مالک بنا ہوا ہے اور جن کے نوکر ان کے کتوں سے بھی بدتر زندگی گزارتے ہیں۔

اس مجموعے میں بیانیے کی طاقت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔موضوعات کا تنوع اور بے باکی عمدہ اور کامل کردار نگاری کے شعور نے اس مجموعے کو اُردو کے افسانوی ادب میں ایک خاص مقام پر لا کھڑا کیا ہے۔

حوالہ جات

1. نیلوفر اقبال، ''نیلوفر کی افسانہ نگاری''، (دیباچہ از احمد ندیم قاسمی)، مشمولہ، گھنٹی، لاہور: اُردو بازار، 2012ء، ص16
2. نیلوفر اقبال، سیاہ سونا (دیباچہ از حمید شاہد)، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 2020ء، ص6 – 5
3. مرزا حامد بیگ، '' نیلوفر اقبال کا اولین افسانوی مجموعہ''، جھنگ اخبار، روزنامہ یکم دسمبر 1966ء، ص12
4. نیلوفر اقبال، گھنٹی (مقدمہ)، لاہور: اساطیر، 1996ء، ص6
5. نیلوفر اقبال، گھنٹی، لاہور: اساطیر، 2012ء، ص47
6. فتح محمد ملک، اپنی آگ کی تلاش، لاہور: سانجھ پبلشرز، 1998ء، ص112
7. محمد منشایاد، گھنٹی (فلیپ)
8. مرزا ادیب، روزنامہ جھنگ، یکم دسمبر 1996ء
9. ایضاً
10. نیلوفر اقبال، گھنٹی، ص54
11. ڈاکٹر انوار احمد، اُردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، ملتان: بیکن بکس، 2017ء، ص389
12. نیلوفر اقبال، گھنٹی، ص76
13. ایضاً، ص80
14. ڈاکٹر عظمیٰ فرمان، اُردو کی ادبی تحقیق و تنقید میں خواتین کا حصہ، کراچی: کراچی یونی ورسٹی پریس، مارچ 2000ء، ص79
15. نیلوفر اقبال، گھنٹی، ص85
16. ایضاً، ص85
17. ایضاً، ص91
18. منظور احمد، گھنٹی (فلیپ)
19. ڈاکٹر انوار احمد، اُردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، ملتان: بیکن بکس، ص687
20. نیلوفر اقبال، گھنٹی، ص121
21. ایضاً، ص157
22. ایضاً، ص164
23. فتح محمد ملک، '' نیلوفر اقبال کے تین افسانے''، مشمولہ، ۔۔۔
24. عبدالسلام، ''گھنٹی سے برف تک''، روزنامہ جنگ، 4 نومبر 1994ء، ص8
25. ایضاً، ص186
26. ایضاً، ص199
27. ڈاکٹر سلیم اختر، '' پاکستان ادبی افسانہ شناخت کا عمل''، مشمولہ، سہ ماہی ادبیات، شمارہ: 17 جلد: 5، 1991ء، ص8
28. ڈاکٹر انوار احمد، اُردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، ملتان: بیکن بکس، ص687
29. نیلوفر اقبال، گھنٹی، ص267
30. فتح محمد ملک، اپنی آگ کی تلاش، ص147
31. رورنامہ، جنگ، ص8
32. نیلوفر اقبال، سیاہ سونا (دیباچہ از محمد حمید شاہد)، ص6

CC BY